© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

اسلامی تعلیم

پاکستان کی وحدت اور سالمیّت کی ضروری شرط

[ہمارا ملک اس وقت جن نازک حالات سے دوچار ہے وہ اس بات کے مقتضی ہیں کہ فکر و عمل کے لیے ایک واضح جہت اختیار کی جائے۔ اس واضح جہت کا تعیّن ہم صرف قوانینِ خداوندی کی روشنی میں ہی کر سکتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ملک کے اندر اسلامی تعلیم کا اِحیاء ناگزیر ہے۔ زیرِ نظر مضمون ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے۔ اُمید ہے قارئین کرام اس سے کماحقہ استفادہ کریں گے ——— ایڈیٹر]

ملک کے اندر اس وقت افتراق و انتشار کی جو کیفیّت موجود ہے اس کا باعث یہ ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد فوراً ہی یہاں ایسے حالات پیدا ہوئے اور اب تک قائم رہے ہیں جن کی وجہ سے ہم متواتر اسلام سے دُور ہوتے رہے ہیں اور ملک کے اندر بتدریج ایک نظریاتی خلا پیدا ہوتا رہا ہے جو ساتھ ہی ساتھ لسانی نیشنلزم، صوبائی نیشنلزم اور کئی اور غیر اسلامی ازموں سے پُر ہوتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اب یہ ازم اس ملک کی وحدت، آزادی اور سلامتی کے لیے ایک خطرہ بن گئے ہیں۔

جب سے پاکستان بنا ہے ہماری تمنّا یہ رہی ہے کہ پاکستان کے تمام ثقافتی، نسلی اور لسانی منطقوں میں مکمل اتّحاد موجود رہے۔ لیکن اس اتحاد کو قائم کرنے کے لیے اب تک ہم نے جتنی کوششیں کی ہیں چونکہ وہ خدا کے اُن قوانینِ قدرت کے علم پر مبنی نہیں تھیں جن کے ماتحت منظّم انسانی جماعتوں یا ریاستوں کا اندرونی اتفاق یا افتراق ظہور پذیر ہوتا ہے لہٰذا وہ سب ناکام رہی ہیں۔ بلکہ حالات سے ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ برعکس ہی ہوا ہے۔ افسوس کہ ہم نے اس بات کو نہ سمجھا کہ اس دنیا میں کوئی چیز بے قاعدہ نہیں ہوتی بلکہ ہر واقعہ خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ایسے قوانین کے عمل سے سرزد ہوتا ہے جو غیر مبدّل اور بے پناہ ہیں۔ اگر ہم کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہیں تو ہمارے سامنے صرف یہی ایک راستہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے عمل کو خدا کے ان قوانین کے مطابق بنائیں جو اس مقصد کے حصول کی طرف لے جانے والے ہوں۔ اگر ہم ایسا نہ کرسکیں تو خدا کے یہی قوانین ہمارے خلاف کام کرتے ہیں اور ہمارے مقصد کو ناکام کر دیتے ہیں اور یہ کلیہ ہر حالت میں درست رہتا ہے خواہ ہمارا مقصد مادی دنیا کے اندر کسی تغیّر سے تعلق رکھتا ہو مثلاً ایک پُل یا ریلوے لائن تعمیر کرانا یا حیاتیاتی دنیا کے اندر کسی تبدیلی کے متعلق ہو۔ مثلاً عمدہ گھوڑوں کی ایک نئی نسل یا گندم یا مکّی کی ایک نئی قسم تیار کرنا یا ہم نفسیاتی اور انسانی دنیا کے اندر کوئی تغیّر چاہتے ہوں، مثلاً ایک قوم کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرنا اور یہی تغیّر ہے جو ہم اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ یہ تغیّر انسانی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اسے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے عمل کو خدا کے ان قوانین کے مطابق بنائیں جو قوموں کے اتفاق اور اتحاد کے ظہور پر حکمران ہیں۔ انسان کی پوری تاریخ کے حقائق سے یہ بات آشکار ہے کہ نصب العین کی محبّت ہی دنیا میں ایک قوّت ہے جو افراد کو متحد کر کے ایک قوم بناتی ہے۔ ان کو جماعتی عمل اور جدوجہد پر اُکساتی ہے اور ان کو منظّم کر کے ایک ریاست کی شکل میں لاتی ہے۔ جب نصب العین کو انسان کی قدرتی عملی زندگی کے مختلف شعبوں پر چسپاں کیا جاتا ہے تو وہی ایک نظریہ بن جاتا ہے نصب العین کے بغیر نہ کوئی ریاست وجود میں آ سکتی اور نہ ہی وجود میں آنے کے بعد کوئی کام کرسکتی یا قائم رہ سکتی ہے۔ ایک ہی نصب العین کو چاہنے والے افراد ایک مشترک نصب العین سے محبّت رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بھی محبت رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مل کر ایک منظم جماعت یا ریاست بن جائیں تاکہ اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے زوردار جدوجہد کرسکیں۔

ہر فردِ انسانی اس طرح بنایا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی نصب العین سے محبت کرنے کے لیے مجبور رہے۔ اگر وہ ایک نصب العین سے محبّت نہ کرسکے تو اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ فی الفور کسی دوسرے نصب العین سے محبّت کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرسکے تو مختلف قسم کی ذہنی اور قلبی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نصب العین کی ایک اور خصوصیّت یہ ہے کہ موافق قسم کے تعلیمی اثرات سے اُس کی محبت نشوونما پاکر اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور ناموافق قسم کے تعلیمی اثرات سے اس کی محبت کمزور اور مضمحل ہو کر مٹ جاتی ہے اور پھر ایک اور یہی نصب العین کی محبت اُس کی جگہ لے لیتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا نے ہر فردِ انسانی کے دل میں نصب العین کی محبت کی ایک خاص استعداد رکھی ہے۔ اگر اس کی تعلیم و تربیت اس طرح سے ہو کہ اس کا نصب العین اس کی محبت کی ساری فطری استعداد کو کام میں لے آئے، تو نصب العین کی محبت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے اس کی تعلیم و تربیت اس طرح سے نہ ہو اور اس کا اپنا نصب العین اس کی ساری فطری استعدادِ محبت کو کام میں نہ لا سکے اور اس کی محبت درجۂ کمال پر نہ پہنچ سکے بلکہ کمزور اور مضمحل رہے تو پھر چونکہ فرد کی فطری استعدادِ محبت کا کوئی حصہ غیر معروف نہیں رہ سکتا۔ وہ فرد دوسرے نصب العینوں کے تعلیمی اثرات کی زد میں آنے اور ان کی محبت کا شکار بننے کے لیے مہیا ہو جاتا ہے اور اگر وہ درحقیقت کسی اور نصب العین کے تعلیمی اثرات کے نرغہ میں آجائے تو وہ نصب العین اس کی فطری استعدادِ محبت کے ایک حصہ کو اپنے تصرف میں لے آتا ہے۔ اس صورت میں اس کے پہلے نصب العین کی محبت اور کمزور ہو جاتی ہے اور اس نئے نصب العین کی محبت اسی نسبت سے طاقتور ہو جاتی ہے۔ اس خطرناک حالت میں اگر مخالف نصب العین کے تعلیمی اثرات کو ختم کر کے اور اصل نصب العین کے تعلیمی اثرات کو پوری طرح سے طاقتور بنا کر اس عمل کا فوری سدِباب نہ کیا جائے تو پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد فرد اپنے اصل نصب العین کو کلیتہً چھوڑ دیتا ہے اور اس کی بجائے اس دوسرے نصب العین کو اختیار کر لیتا ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنے پہلے نصب العین کے چاہنے والے کی حیثیت سے گویا موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اور نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی ریاست کے افراد کے دلوں میں ان کے اصل نصب العین کی محبت کمزور ہو گی تو پھر ایک نصب العین نہیں بلکہ بہت سے نصب العین اپنے تعلیمی اثرات کو لے کر اس کی جگہ لینے کے لیے سامنے آجائیں گے اور ریاست کے لوگوں کا نصب العین ایک نہیں رہے گا بلکہ ان کے نصب العین بہت سے ہو جائیں گے اور ریاست ٹکڑوں میں بٹ جائے گی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ریاست جو کسی خاص دن اپنی آزادی حاصل کر کے وجود میں آئے ایک مضبوط اور ترقی پذیر وحدت کے طور پر زندہ رہنا چاہتی ہو اور یہ نہ چاہتی ہو کہ وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ جائے جن میں سے ہر ایک کا نصب العین دوسروں سے مختلف ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی دن ایک ایسا نظامِ تعلیم قائم کرے جو اس کے افراد کے مشترک نصب العین کی محبت کو نہ صرف اس درجہ پر قائم رکھ سکے جو اس کو وجود میں لایا تھا بلکہ اسے ترقی دے کر کمال پر پہنچا سکے تاکہ کسی اور نصب العین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اثر و نفوذ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ ریاست کے اس فرض کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ تمام مخالف یا دشمن نصب العینوں کے تعلیمی اثرات کا پوری طرح سے سدِّباب کرے خواہ وہ ملک کے اندر سے نمودار ہوں یا باہر سے آئیں۔ اس قسم کے تعلیمی اثرات ملکی اور غیر ملکی مدرسوں اور کالجوں کی درسی کتابوں اور استادوں اور پروفیسروں کی تقریروں کی راہ سے ہی نہیں آتے بلکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن اور اخباروں، رسالوں، کتابوں اور کوتاہ نظر نیم حکیم بلکہ زہر فروش قسم کے لیڈروں اور دانشوروں کی تقریروں، گفتگوؤں اور اخباری بیانوں، غیر ملکی مشنریوں کے دواخانوں اور ہسپتالوں، دودھ کے ڈبوں، امن کے جزیروں، دیہاتی ترقی اور خوش حالی کے کاموں اور دشمن فرقوں اور قوموں کی سیاسی سازشوں اور غیر ملکی نام نہاد مفکروں اور شخصیتوں کے مشوروں، غیر ملکی متحرک اور غیر متحرک کتب خانوں اور اطلاعاتی مرکزوں کی راہ سے بھی آتے ہیں جس طرح سے بعض غذائیں زہریلی ہوتی ہیں اور ان سے جسم کی موت واقع ہو جاتی ہے اسی طرح سے بعض آراء و افکار اور خیالات اور تصوّرات بھی زہریلے ہوتے ہیں اور ان سے روح کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اگر ریاست اپنے اس فرض سے غافل ہو جائے تو ناممکن ہے کہ وہ تادیر زندہ رہ سکے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مخالف قسم کے تعلیمی اثرات سے قوم کو بچانا تو درکنار یہ صحیح نظامِ تعلیم قائم نہ کر سکنے کی وجہ سے پھر وہ لازماً ایک غلط نظامِ تعلیم قائم کرے گی جو نہ صرف قوم کے صحیح نصب العین کی محبّت کی نشو و نما کو روک دیگا بلکہ غلط نصب العینوں کی محبت کی نشو و نما کرے گا یا کم از کم ان کی محبّت کی نشو و نما کے لیے راستہ کھلا چھوڑ کر سہولتیں بہم پہنچائے گا۔ ایسی ریاست کی مثال اس غلام کی طرح ہو گی جو اپنے ظالم آقا سے بھاگنے میں کامیاب ہو جائے لیکن جنگلی جانوروں اور دشمنوں سے بے پروا ہو کر ایک خطرناک جنگل میں جا کر سو جائے۔

ہر منظم انسانی جماعت یا ریاست ایک زندہ جسم حیوانی Organism کی طرح ہوتی ہے اور اس کا کردار ایسے نفسیاتی قوانین کے مطابق سرزد ہوتا ہے جو حیاتیاتی قوانین سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی ایک ہی ہے اور اس کی خصوصیات ایک ہی رہتی ہیں خواہ وہ اپنا اظہار حیوانی سطح پر کر رہی ہو یا انسانی سطح پر۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک زندہ جسم حیوانی بھی ایک فردِ واحد نہیں ہوتا بلکہ کروڑوں افراد کی ایک منظم جماعت یا ریاست ہوتا ہے جن کو ہم خلیات کہتے ہیں اور جو سب مل کر اس ریاست کی زندگی اور نشو و نما کو برقرار رکھنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ جس طرح سے ایک زندہ جسم حیوانی کی قوتِ حیات کروڑوں خلیات کو متحد اور منظم کر کے ایک جسدِ واحد بنا دیتی ہے اُسی طرح سے نصب العین کی محبت کی بے پناہ قوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کروڑوں انسانی افراد کو متحد اور منظم کر کے ایک ریاست بنا دیتی ہے۔ ایک جسم حیوانی کے خلیات جس قدر زیادہ قوتِ حیات سے معمور ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ ان میں تعاون اور اتحاد ہوتا ہے اور اسی قدر زیادہ جسم صحتمند ہوتا ہے اور نشو و نما پاتا ہے، اسی طرح سے ایک ریاست کے افراد جس قدر زیادہ اپنے نصب العین سے محبت رکھتے ہوں اسی قدر زیادہ ریاست بھی متحد اور منظم اور ترقی پذیر اور خوشحال ہوتی ہے کیونکہ اسی قدر زیادہ اس کے افراد جذبۂ عمل سے سرشار ہوتے ہیں اور ان کا کردار حرص و ہوا سے مامون و مصئون اور تنگ نظرانہ اُلفتوں اور ہمدردیوں اور خود غرضیوں اور عصبیتوں سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ جب ریاست کے افراد کے دلوں میں نصب العین کی محبت اپنے پورے کمال پر پہنچ جائے تو ریاست اور اس کے افراد کے یہ زرّیں اوصاف بھی اپنے کمال پر پہنچ جاتے ہیں۔

جس طرح سے انسان کے جسم کو پوری طرح سے نشو و نما پانے، تندرست رہنے اور عمر دراز پانے کے لیے ایسی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے جو پروٹین، حیاتین اور فلزات سے بھرپور ہو اسی طرح سے ایک ریاست کو توانا رہنے، ترقی کرنے اور دنیا کے نقشہ پر ہمیشہ کے لیے موجود رہنے کے لیے ایسے نصب العین کی ضرورت ہوتی ہے جو حُسن، خیر اور صداقت کے اوصاف سے بدرجۂ کمال بہرہ ور ہو۔ جس طرح سے جاندار کے جسم کے اندر ایسے اعضائے رئیسہ ہوتے ہیں جو جسم کی غذا کو ہضم اور جذب کر کے جسم کے خلیات کے ذریعہ سے جسم کے کونے کونے میں پہنچانے کا کام کرتے ہیں، اسی طرح سے ایک زندہ ریاست کے اندر بھی نظامِ تعلیم اور کتبی اور تعلیمی اور تبلیغی اداروں کی صورت میں ایسے مراکز ہوتے ہیں جو ریاست کے افراد کے ذریعہ سے نصب العین کی محبت کی نشو و نما کرنے والے افکار و تصوّرات کو ریاست کے کونے کونے میں پہنچاتے ہیں۔ اگر وہ خوراک جو ایک جاندار کو میسّر آ رہی ہو ضروری عناصر سے عاری ہو تو پھر جاندار کے جسم کی قوتِ حیات کمزور ہو جاتی ہے اور جاندار بیمار ہو کر قریب المرگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ریاست کا نصب العین حُسن، صداقت اور خیر کے اوصاف سے بدرجۂ کمال بہرہ ور نہ ہو تو ریاست زُود یا بدیر کمزور ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خدا کے وہ قوانین جو کسی ریاست کے اندرونی اتحاد یا افتراق اور اُن کے ملحقہ اوصاف یا امراض کو پیدا کرنے کے لیے عمل کرتے ہیں حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ ہر ریاست بہت سے افراد کی اس خواہش کے نتیجہ کے طور پر جنم لیتی ہے کہ وہ ایک ایسے نصب العین کے تقاضوں کو عملی زندگی میں پورا کرنے کے لیے مل کر جد و جہد کریں جسے وہ دل و جان سے چاہتے ہیں۔

۲۔ اگر دوسرے حالات یکساں ہوں تو ایک ریاست کے افراد جس قدر زیادہ اپنے نصب العین سے محبّت رکھتے ہوں اسی قدر زیادہ وہ ریاست متحد اور منظم اور طاقتور اور ترقی پذیر اور خوش حال ہوتی ہے۔

۳۔ ایک ریاست کا نظامِ تعلیم [illegible] شامل ہے اس کے ہاتھ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ایسا آلۂ کار ہوتا ہے جس کے صحیح یا غلط استعمال سے وہ ریاست کے افراد کے دلوں میں ان کے نصب العین کی محبت کو زیادہ یا کم کر سکتی ہے، کمال پر پہنچا سکتی ہے یا بالکل نیست و نابود کر سکتی ہے۔

۴۔ وہ ریاست جو اپنے افراد کو ایسی تعلیم نہیں دیتی جس سے وہ اس نصب العین کو جو اسے وجود میں لانے کا باعث ہوا تھا دل و جان سے محبت کرنے لگیں ضروری ہے کہ وہ زود یا بدیر مٹ کر رہے۔

۵۔ ضروری ہے کہ ایک ریاست کا نصب العین بدرجۂ کمال حسن، نیکی اور صداقت کے اوصاف کا مالک ہو تاکہ ریاست ارتقا کی ان قوتوں کے سامنے ٹھہر سکے بلکہ اُن قوتوں کی حمایت اور حفاظت میں پناہ لے سکے، جو ناقص نصب العینوں پر قائم ہونے والی تمام ریاستوں کو توڑ پھوڑ کر مٹانے اور کامل نصب العین پر قائم ہونے والی ریاست کو محفوظ رکھنے اور ترقی دینے کے لیے کارفرما ہیں۔

اس بات پر اختلاف ہو سکتا ہے کہ قائد اعظم کے ساتھیوں میں سے کون پاکستان کے مقصد کے متعلق مخلص تھا اور کون نہیں، لیکن جو نعرہ مسلمانوں کو شہادت پانے کے لیے گھروں سے باہر لایا تھا وہ یہی تھا:۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ، لہٰذا جس نصب العین کے لیے مسلمانوں نے جان و مال اور نام و ناموس کی بے شمار قربانیاں دی تھیں اور جس نصب العین نے آخر کار مسلمانوں کو متحد اور منظم کر کے پاکستانی ریاست کی شکل دی تھی وہ خدا کا عقیدہ تھا جو اسلام کی رُوح ہے اور جس پر اسلام کے تمام فرقے متفق ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں نے مل کر کسی اختلاف کے بغیر پاکستان کے لیے وہ جد و جہد کی تھی جس کے نتیجہ کے طور پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کی رات کو جو رمضان کے مقدس مہینہ کی مقدس ستائیسویں رات بھی تھی، پاکستان کا مقدس ملک وجود میں آیا تھا۔ لہٰذا پاکستان کی سلامتی اور ارتقا کے لیے ضروری تھا کہ اسی دن سے ہم یونیورسٹیوں کے ایک ایسے نظامِ تعلیم کی تشکیل کے کام میں لگ جاتے، جو پاکستان کے نصب العین یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ یا خدا کی محبت کو نہ صرف اس درجہ پر قائم رکھتا جو پاکستان کو وجود میں لانے کا سبب ہوا تھا بلکہ اُسے اور ترقی دے کر نقطۂ کمال پر پہنچاتا اور وہاں موجود رکھتا تاکہ پاکستان بنانے والی قوم پھر کسی دوسرے نصب العین کی طرف مائل نہ ہو سکتی اور اس کے ساتھ ہی ہم ملک کے اندر یا باہر کے ازموں اور عقیدوں سے پیدا ہونے والے ایسے تعلیمی اثرات کا پُوری قوت اور جرأت سے سدّباب کرتے جو کسی درجہ میں بھی پاکستان کے نصب العین کے تقاضوں کے منافی ہوتے۔ جہاں تک یونیورسٹیوں کے نظامِ تعلیم کی نئی تشکیل کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ اگر ہم اُسے پاکستان کے نصب العین کے مطابق بنانے کی کوششیں کرتے تو ہم یہ محسوس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے کہ یہ ضروری ہے کہ اس میں خدا کا اسلامی عقیدہ تمام سائنسی علوم یعنی طبیعیاتی، حیاتیاتی اور انسانی علوم کی درسی کتابوں کے موضوعات کا مرکزی اور محوری تصور رہو اور پھر ہم ان علوم کی درسی کتابوں کو اس زاویۂ نگاہ سے از سرِ نو تیار کرتے لیکن افسوس کہ ہم نے بیس سال ضائع کر دیئے اور ایسا نہ کیا۔ اس کے برعکس ہم نے پاکستان میں وہی بے خدا نظامِ تعلیم رائج کیا اور قائم رکھا جو انگریز نے اپنے نصب العین کی ضروریات کے تحت نافذ کیا تھا۔ یہ نظامِ تعلیم بیس سال سے ہمارے دلوں میں خدا کی محبت کے اس جوش و خروش کو ٹھنڈا کرتا رہا ہے جس کی وجہ سے پاکستان بنا تھا اور اس کے عوض میں ہمارے دلوں کو اندرونی اور بیرونی غلط ازموں کی محبت سے گرماتا رہا ہے۔ ناممکن تھا کہ ہم اس نظامِ تعلیم کے خطرناک اثرات کو نصابِ تعلیم کے اندر اسلامیات کے ایک مضمون کا اضافہ کر کے روک سکتے۔ اس مضمون کے اضافہ سے اُلٹا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ کے دل میں یہ بات اور راسخ ہو گئی کہ خدا کا عقیدہ کائنات کے علوم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ جبھی تو خدا کا عقیدہ صرف ایک مضمون میں ہے اور باقی مضامین اس سے خالی ہیں۔

ان حالات میں کوئی تعجب نہیں کہ خدا کے وہ قوانین جو منظم انسانی جماعتوں یا ریاستوں کے اندرونی اتحاد و افتراق کو پیدا کرنے کے لیے کارخانۂ قدرت میں کارفرما ہیں۔ ان بیس سالوں میں ہمارے خلاف کام کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آج ان ازموں کے چاہنے والے پاکستان کے نصب العین کے خلاف میدان میں اُتر رہے ہیں اور ملک کے کئی ٹکڑوں میں بٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ خدا کے ان قوانین کا فیصلہ یہ ہے کہ اس صورتِ حال کا شافی اور کافی علاج سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ نظامِ تعلیم کو پاکستان کے نصب العین کے مطابق نہ بنانے کی جو غلطی پاکستان کے ظہور کے دن کی گئی تھی اس کا ازالہ کیا جائے اور خدا کے تصور پر مبنی نظامِ تعلیم وجود میں لایا جائے۔ جو قوم نظریاتی محاذ پر اپنی حفاظت نہیں کرتی وہ فوجی محاذ پر بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتی خواہ وہ میزائلوں اور ایٹم بموں کے انبار لگا دے لہٰذا تعلیم ایک ریاست کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ ڈیفنس کا ایک حصہ ہے اور اسے ڈیفنس کے ساتھ ہی مرکز میں رہنا چاہیے۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارا نصب العین یعنی خدا کا عقیدہ ہر نقص سے پاک اور ہر کمال سے آراستہ ہے۔ کیونکہ اس میں حسن، خیر اور صداقت کی صفات بدرجۂ کمال موجود ہیں۔ خدا سے بلند تر نصب العین تصور میں نہیں آ سکتا۔ یہ نصب العین وہ مکمل روحانی غذا ہے جس میں خودی یا روح کی اشتہائے حسن کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطمئن کرنے اور خودی کی پرورش کرنے کے لیے صفاتِ حسن کی صورت میں تمام ضروری اجزاء و عناصر موجود ہیں۔ لہٰذا اگر ہم اس نصب العین سے محبت کرنے کے لیے اپنے آپ کو مناسب تعلیم و تربیت سے مستفید کرتے رہیں تو اس سے کبھی اکتا نہیں سکتے اور نہ اس کو ترک کر سکتے ہیں، لہٰذا ایسی حالت میں ایک قوم کی حیثیت سے کبھی مٹ نہیں سکتے۔ یہ نصب العین کائنات کے جذبۂ کمال کا مقصود اور مطلوب ہے۔ یہ نصب العین بیک وقت حرکتِ ارتقا کا راستہ بھی ہے اور منزل بھی۔ عملی تاریخ کا ذریعہ بھی ہے اور اس کا حاصل بھی۔ لہٰذا اس نصب العین کے عُشّاق اُس تباہی سے محفوظ رکھے جاتے ہیں جو غلط نصب العینوں کے چاہنے والوں کے لیے مقدر کی گئی ہے۔ ارتقائے عالم کی وہی قوتیں جو تمام غلط نصب العینوں کو مٹانے کے لیے کارفرما ہیں وہی قوتیں اس نصب العین کو دنیا بھر میں ان کی جگہ دلانے کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم احساسِ کمتری کا شکار بن کر تعلیم کے بارہ میں مٹ جانے والی بے بصیرت قوموں کی پیروی کریں اور خدا کے عقیدہ کو تمام علوم کے محوری تصور کی حیثیت سے تعلیم میں نہ لائیں۔ افسوس ہے کہ وہ قوم جو اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ پوری نوعِ انسانی کو خدا کے عقیدہ پر متحد کر کے امن اور عافیت کی نعمتوں سے ہمکنار کرے۔ وہی قوم اس عقیدہ کی بنا پر اپنے اتحاد کا سامان کرنے سے گریز کر رہی ہے اور وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ دوسروں کی نقل کو ہر حالت میں مطابق اصل کے رکھنا چاہتی ہے اور اس میں کوئی فرق پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں خدا کے ان بے پناہ اور غیر متبدل قوانین کی آواز کو سننا چاہیے جس کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے اور خدا کے عقیدہ کو اپنی تعلیم کے اندر سائنسی علوم کا مرکزی اور محوری تصور بنانا چاہیے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی بلکہ فقط اپنے آباؤ اجداد کی دانش مندی کا اعادہ ہوگا۔ یہ بات اب مُسَلَّم ہے کہ دنیا کے سب سے پہلے سائنس دان جنہوں نے سائنسی طریقِ تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی اسپین کے مسلمان تھے۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ مظاہرِ قدرت خدا کی نشانیاں ہیں ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو تاکہ تم خدا کو پہچان سکو، یہی وجہ ہے کہ خدا کا عقیدہ مسلمانوں کی سائنس کا مرکزی تصور تھا لیکن جب مسلمان اسپین سے رخصت ہوئے اور سائنس ان کے عیسائی شاگردوں کے ہاتھ آئی تو چونکہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے بالکل برعکس جدید عیسائیت کی تعلیم یہ ہے کہ دین اور دنیا کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور یہ سمجھ لیا گیا کہ سائنس فقط اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا انہوں نے خدا کے پاک تصور کو بزعمِ خود ناپاک سائنس سے الگ کر دیا لیکن اب مغرب کے مفکرین اپنی غلطی کا احساس کر کے قرآنِ حکیم کی اس تعلیم کی طرف لوٹ رہے ہیں کہ مظاہرِ قدرت خدا کی ہستی اور صفات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشانات ہیں اور اُن کا مشاہدہ اور مطالعہ اسی حیثیت سے کرنا چاہیے کیونکہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ اس غلطی نے اُن کی تہذیب کو جاں بلب کر دیا ہے۔ دنیا کا ایک ممتاز سائنس دان ڈاکٹر آرتھر ہارڈنگ اپنی کتاب "فلکیات" میں لکھتا ہے:

"جوں جوں انسان سائنس کے کرشموں سے واقفیت حاصل کرتا جاتا ہے اور اپنے گردوپیش کی کائنات کے متعلق اس کا علم بڑھتا جاتا ہے اُسی نسبت سے وہ مذہب کے اور قریب آجاتا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کا زیادہ احترام کرتا ہے۔ کوپرنیکس کے زمانہ سے آج تک سائنس نے جتنی ترقی کی ہے وہ یقیناً اہلِ دنیا کے لیے خدا کو پہچاننے اور پانے کا سب سے بڑا اور منظّم ذریعہ ہے۔"

لیکن جب تک خدا کا عقیدہ سائنس کے کتاب کے اندر داخل ہو کر اور سائنس کے ساتھ جڑ کر سائنسی حقائق کی راہ نمائی اور تنظیم نہ کرے، سائنس سے خدا کو جاننے اور پہچاننے کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ یہی سبب ہے کہ "دیہاتی امریکہ کی توسیع" کے مصنّفین ولسن Wilson اور برونر Brunner لکھتے ہیں:

"اگر سائنسی علم بعض ایسے فلسفیانہ اور مذہبی عقائد کے زیرِ ہدایت و تسلط مدوّن کیا جائے جو زندگی کی بنیادی قدروں اور غرضوں کے حامل ہوں تو ہمارے خیال میں یہ بات نوعِ انسانی کے لیے بہت بڑی برکت کا باعث ہوگی۔"

فیلڈ مارشل سمٹس F.M.Smuts جس نے ہولزم Holism کے عنوان سے فلسفہ کی ایک نہایت ہی اونچی اور عمدہ کتاب لکھی ہے کہتا ہے:

"صداقت کی مخلصانہ جستجو اور نظم اور حسن کا ذوق رکھنے کی وجہ سے سائنس، مذہب اور فن کی بعض خصوصیات سے حصّہ لیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ کہنا بہت حد تک قرینِ انصاف ہوگا کہ سائنس ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے شاید خدا کی ہستی کا سب سے بڑا انکشاف ہے یقیناً آگے چل کر نوعِ انسانی کے لیے کرنے کے بڑے بڑے کاموں میں ایک یہ ہوگا کہ وہ سائنس کو اخلاقی قدروں کے ساتھ جوڑے اور اس طرح اس مہیب خطرہ کا سدِّباب کرے جو ہماری تہذیب کے مستقبل کو درپیش ہے۔"

مغربی مفکّرین کی تحریروں سے اس قسم کے بے شمار حوالے نقل کیے جا سکتے ہیں جن میں وہ سائنس کو مذہب کے ساتھ جوڑنے پر زور دیتے ہیں۔ لیکن بے خدا سائنس کے تباہ کن اثرات کو جس وضاحت کے ساتھ پروفیسر پٹی رم سوروکن نے بیان کیا ہے شاید ہی کسی مغربی مفکر کو اس کی توفیق نصیب ہوئی ہو۔ پروفیسر پٹی رم سوروکن جس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکی رسالہ سوشیالوجی اور سوشل ریسرچ The Greatest Mind of This Generation قرار دیتا ہے حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کی سوشیالوجی ڈیپارٹمنٹ کی صدارت سے پنشن پاکر سکڈوش ہوا ہے اس نے "ہمارے دور کا بحران" THE CRISIS OF OUR AGE کے عنوان سے صرف یہ بتانے کے لیے ساڑھے تین سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے کہ مغربی تہذیب ایک "المناک بحران" تک پہنچ گئی ہے جو عنقریب اس کی "تباہی" کا موجب ہوگی اور یہ تباہی "دورِ حاضر کے انسان کے لیے" ذلت اور نکبت" کا پیغام اپنے ساتھ لائے گی۔ وہ کہتا ہے کہ مغربی تہذیب کے اس بحران کا سبب یہ ہے کہ :

"وہ اس اعتقاد کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی کہ سچی صداقت اور سچی نیکی دونوں کلیتہً یا بیشتر حسّی اور مادّی ہیں۔ ہر وہ چیز جو حواسِ خمسہ کی گرفت سے بالا ہے بطورِ صداقت کے فرضی ہے۔ یا تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں یا اگر کوئی وجود ہے تو چونکہ وہ حواس خمسہ سے معلوم نہیں کیا جاسکتا وہ غیر موجود کے حکم میں ہے۔ چونکہ سچی صداقت یا سچی نیکی کو مادّی یا حسّی قرار دے لیا گیا تھا۔ ہر وہ چیز جو حواس کے ادراک سے ماوراء تھی خواہ وہ خدا کا تصوّر تھا یا انسان کا شعور۔ ہر وہ چیز جو غیر حسّی اور غیر مادّی تھی اور جو روزمرّہ کے تجربات میں دیکھی سُنی، چھوٹی یا سونگھی نہیں جاسکتی تھی۔ ضروری تھا کہ اُسے غیر حقیقی، غیر موجود اور بے سُود قرار دے دیا جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس شجر کاری کا پہلا زہر آلود پھل یہ تھا کہ سچی صداقت اور سچی نیکی کے دائرہ کو مہلک حدُود تک محدود کر دیا گیا۔ اور جب تہذیب ایک بار اس راستہ میں داخل ہوگئی تو پھر اس کو اسی راستہ پر آگے جانا پڑا۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ صداقت اور نیکی کی دنیا ہر روز اور زیادہ حسیّت اور مادیّت کے تنگ سانچوں میں ڈھلتی گئی۔"

سوروکن آخرکار اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دورِ حاضر کی حسیّت زدہ تہذیب Sensate Civilization کو بچانے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ اپنے حسیّت نواز بنیادی مفروضہ کو بدل کر اس کی جگہ کسی روحانی مفروضہ کو اپنی بنیاد بنائے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اس مقصد کے حصُول کے لیے ضروری ہے کہ :

"حسیّت زدہ تہذیب کے تمام مفروضوں اور تمام قدروں کا نئے سرے سے گہرا مطالعہ کیا جائے۔ اس کی خارج از وقت کاذب اقدار کو رد کیا جائے اور ان سچی قدروں کو بحال کیا جائے جو اس نے رد کر دی ہیں ..... مذہب اور سائنس کا موجودہ اختلاف جو درحقیقت نہ صرف تباہ کُن ہی نہیں بلکہ غیر ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہے۔ اگر سچی صداقت اور سچی نیکی کے معقول اور تسلی بخش نظریہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو مذہب اور سائنس دونوں ایک ہی ہیں اور ایک ہی مقصد کو پورا کرتے ہیں اور وہ مقصد یہ ہے کہ قادرِ مطلق خدا کی صفات کو اس مرئی دنیا کے اندر آشکار کیا جائے تاکہ خدا کے نام کا بول بالا ہو اور انسان کی عظمت پایۂ ثبوت کو پہنچے۔"

لیکن مغربی تہذیب کے علمبردار اسلام کی راہ نمائی کے بغیر خدا اور سائنس کا الحاق نہیں کر سکیں گے۔ کچھ اس لیے کہ ان کے ہاں خدا کا عقیدہ شرک کی آلودگیوں سے پاک نہیں اور کچھ اس لیے کہ دین اور دنیا کی جدائی کا عقیدہ پھر ان کے آڑے آئے گا اور پھر کچھ اس لیے بھی کہ اب ان کا مرض حد سے زیادہ ترقی کر چکا ہے اور ان میں خدا پرستی کی طرف خود بخود رجوع کرنے کی قوت باقی نہیں رہی۔ لیکن اگر مغربی تہذیب نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اسلام کی راہ نمائی کو قبول کیا تو یہ بات پھر ثابت ہو جائے گی کہ درحقیقت خدا نے مسلمانوں کو اقوامِ عالم کی قیادت کے منصب پر فائز کر رکھا ہے کہ خدا کا نور بجھایا نہیں جا سکتا اور یہ کہ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے کہ اس کا دین تمام نظریات پر غالب آئے۔

اسلام ہر اُس پُر امن تجویز اور طریقِ کار کا حامی ہے جس سے اسلام کی واقفیت اور بصیرت رکھنے والوں کی رائے میں معاشی عدل کے تقاضے پُورے ہوتے ہوں خواہ وہ زکوٰۃ کی فراہمی کا اہتمام ہو یا اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہی بعض ذرائع پیداوار کو قومیانے کا انتظام۔ لیکن انسان فقط جسم نہیں بلکہ وہ خودی یا روح بھی ہے اور خودی یا روح اصل انسان ہے جو جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اور جسم اصل انسان کی سواری ہے اور یہ سواری خواہ اسے کھلا پلا کر کتنا ہی موٹا کیا جائے صرف قبر تک ہی کام دیتی ہے۔ جسم کی طرح خودی کو بھی غذا اور لباس اور مکان کی ضرورت ہے۔ خودی کی غذا خدا کی صفات کا حسن ہے (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى) جو خودی اپنے اندر خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کے سوز و گداز سے جذب کرتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ دلوں کی اشتہائے حُسن خدا کے ذکر سے مطمئن ہوتی ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اور خودی کا لباس تقویٰ اور تخلق باخلاق اللہ ہے۔ قرآن میں ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ اور خودی کا مکان جنت ہے۔ قرآن میں ہے کہ وہ لوگ جو خودی کی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں ان کو جنت میں اُونچے اُونچے محل دیئے جائیں گے اس لیے کہ انہوں نے ان ضرورتوں کو پُورا کرنے کے لیے صبر سے کام لیا تھا اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا۔ جس طرح سے جسم اپنی ضرورتوں کے پُورا نہ ہونے سے مرتا ہے، خودی بھی اپنی ضرورتوں کے پُورا نہ ہونے سے مرتی ہے۔ خدا کہتا ہے کہ قرآن کی آواز نہیں زندگی کی طرف بلاتی ہے اس کو سنو اور مانو اور خدا اہلِ ایمان کے لیے حیاتِ طیبہ کا وعدہ کرتا ہے جسم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورتوں کو پورا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ خودی کے کام آئے تاکہ خودی اس کی مدد سے اپنی ابدی زندگی اور مسرت کا اہتمام کرے۔ لیکن اگر خودی کی ضرورتوں کو بالکل بھلا دیا جائے تو پھر جسم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ جسم کی بھوک، برہنگی اور بے خانگی سے عارضی موت مرنے والوں کی تعداد کم ہے لیکن خودی کی بھوک، برہنگی اور بے خانگی سے ابدی موت مرنے والے اَن گنت ہیں اور روز ہماری آنکھوں کے سامنے مرتے رہتے ہیں لیکن ہمیں ان پر رحم نہیں آتا اور ہم ان کے افلاس پر آنسو نہیں بہاتے اور اس کا مداوا نہیں کرتے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمیں اپنی ناپائدار سواری کی فکر تو ہے لیکن اپنی فکر بالکل نہیں۔ ہمیں کہنا چاہیے کہ غذا لباس اور مکان ہماری سواری کو دو لیکن ہمیں بھی دو۔ اگر جسم کے افلاس کا علاج اچھی معیشت ہے تو خودی کے افلاس کا علاج اچھی تعلیم ہے جو خودی کی ضروریات کو پورا کر سکے، لہٰذا اچھی معیشت اور اچھی تعلیم کو ساتھ ساتھ رکھا جائے۔

قرآن حکیم کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ان گوناگوں روابط کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور پیدا کرے جو اس کے اور کائنات کے درمیان قائم ہیں۔ قرآنی تعلیمات کا یہی وہ بنیادی پہلو ہے جس کے پیش نظر گوئٹے نے بہ اعتبار ایک تعلیمی قوت اسلام پر من حیث الکل تبصرہ کرتے ہوئے ایکرمن سے کہا تھا "تم نے دیکھا اس تعلیم میں کوئی خامی نہیں۔ ہمارا کوئی نظام، اور ہمیں پر کیا موقوف ہے، کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

اقبالؒ

مئے یقیں سے ضمیرِ حیات ہے پُرسوز
نصیب مدرسہ یارب یہ آبِ آتشناک

اقبالؒ

© rasailojaraid.com